گویا "بحرفے می تواں گفتن تمنائے جہانے را" چند الفاظ میں اقبالؒ کی فکر و فن کی مکمل تصویر تیار ہو گئی۔ پھر عبدالمغنی صاحب ابتدائی دور اور بعد کے ادوار سے تخلیقات کی مثالیں لے لے کر اور ان کی وضاحتیں کر کر کے اس حقیقت کو منواتے ہیں کہ :۔

"ابتدائی اشعار میں بھی بے ساختگی، برجستگی، شستگی اور رفتگی ہے، جو آئندہ اشعار کی بڑھتی ہوئی سنجیدگی، عمدگی اور بالیدگی میں بھی برقرار رہتی ہے"
(ص ۲۴)

زیادہ تفصیل میں جانا مشکل ہے۔ اپنے ان دعوؤں کے ثبوت میں وہ ابتدائی دور کے کلام کے بہت سے اجزاء بھی لا کر دکھاتے ہیں کہ فن کے ساتھ فکر شامل ہے۔ پھر وہ بعد کے ادوار کی نظموں اور اشعار کو سامنے لا کر دکھا دیتے ہیں کہ فکر کی وجہ سے جو غلو بعد کے کلام میں ہے۔ اس کے ساتھ فنی جمال میں بھی کمی نہیں آئی۔

پھر عبدالمغنی صاحب (شاید انگریزی ادب کے استاد ہونے کی وجہ سے) تشریح ایسی خوبی سے کرتے ہیں کہ جن چیزوں کو لوگ چھپائے رکھنا چاہتے ہیں وہ انہیں کھول دیتے ہیں اور جہاں کہیں مفہوم کو غلط رخ دیا گیا ہو، وہاں سیاق و سباق اور دوسری متوازی نظموں کے عناصر کو شہادت میں لا کر رُخ درست کرتے ہیں اور اس طرح دعوے اور بحث کی ڈور مقابل کے ہاتھ سے چھین کر اسے نہتا کر دیتے ہیں۔

افسوس کہ میں زیادہ لکھنے کا موقع نہیں رکھتا۔ بس قارئین سے یہ کہوں گا کہ اقبالؒ کو جدیدیوں اور سوشلسٹوں کے حملوں سے جتنی بھی جراحتیں آتی تھیں، عبدالمغنی نے ان کا درماں کر دیا ہے۔ اقبالؒ کے متعلق ان کی متعدد تفصیلی کتب آچکی ہیں، انہیں پڑھیئے اور اقبالؒ کو نئے سرے سے سمجھئے۔

تصوف اور اہلِ تصوف : از مولینا سید احمد عروج قادریؒ۔ مرتب ڈاکٹر رضی الاسلام ندوی۔ ناشر: مرکزی مکتبہ اسلامی، ۱۳۵۳، چتلی قبر، دہلی نمبر ۶ (بھارت)۔ کاغذ، طباعت مناسب۔ سرورق رنگین۔ صفحات ۳۷۵۔ قیمت ۴۰ روپے۔

پہلا مختصر جملہ تو میں یہ کہوں گا کہ اپنے موضوع پر بہت اچھی کتاب ہے اور مصنف مرحوم کے فکری و تخلیقی ذوق کی وجہ سے اس کی بحثیں بڑی متوازن اور سوچنے کی نئی راہیں کھولنے والی ہیں۔

قادری صاحب رحمتہ اللہ اچھے عالم، گہرا اور وسیع مطالعہ کرنے والے اور مسائل کا باریکی سے تجزیہ کر کے نتائج نکالنے کے ماہر تھے۔

تصوّف کے متعلق دو انتہا پسندانہ ذہن ہیں۔ ایک تو تصوّف کا خیال آتے ہی "لب بہ بند و چشم بند و گوش بند" کی راہ کا سالک بن جاتا ہے۔ دوسرا تصوّف کا نام آتے ہی اس کے متعلق اپنے کان ضرور بند کرلیتا ہے اور زبان سے کچھ مخالفانہ جملے کہہ دیتا ہے۔

عروج صاحب نے دونوں ذہنوں کے لئے ایک درمیانی راستہ نکالا ہے۔ عروج صاحب نے یہ دکھایا ہے کہ تصوّف کی ایک نوعیت وہ ہے جو دراصل تزکیۂ نفس کا ایک نیا نام ہے۔ اس کا مقصد اسلام کے قلب کو قلبِ سلیم بنانا، نیت میں اخلاص پیدا کرنا، توجہات کا اصل مرکز خدا کو بنانا، غیراللہ کے برپا کردہ ادیان، عقائد، نظاموں، رسوم، شعائر وغیرہ سے اپنا تحفظ کرنا ہے۔ مزید یہ کہ خدا کی عبادت یا بندوں کی خدمت کے کاموں کو ریا سے بچانا، نیز ذکر، فکر، توکّل، صبر، قناعت، رضا وغیرہ خوبیوں کا اپنے اندر پیدا کرنا ہے۔

دنیا پرستی، جاہ پرستی اور قوّت پرستی بلکہ عقل پرستی کے اُبھار نے تصوّف کے رجحان کو اولا" پُر زور بنایا۔ بہرحال ایک طریقِ کار یا رجحان نے زور پکڑا تو اس کی اصطلاحات بھی وجود میں آنے لگیں۔ علاوہ بریں عجمی تصوّرات اور ہندی فکریات و معمولات نے بھی تصوّف میں راستہ بنایا۔ خصوصا" وحدت الوجود اور وحدت الشہود اور فنافی اللہ اور فنافی الشیخ وغیرہ قسم کے فلسفیانہ شگوفے بھی بہار دکھانے لگے۔ مولینا عروج قادری کے مباحث سے ہٹ کر یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ کاروباری تصوّف کا بھی ایک خاص نہج بنا۔

مولینا عروج قادری صاحب نے بڑا اہم کام یہ کیا ہے کہ ابتدائی باتوں کے بعد اکابر صُوفیا کو لیا ہے، مثلاً امام قشیری، شیخ عبدالقادر جیلانی، شیخ عبدالحق محدّث دہلوی۔ ان کے خیالات کا تحریری ریکارڈ ان کے خطوط سے حاصل کیا ہے۔ پھر یہ دکھایا کہ کس طرح اصل ائمہ تصوّف پابندِ شریعت اور طالبانِ اقامتِ دین تھے۔

پھر غیر اسلامی تصوّف کا باب ہے۔ جس میں دکھایا گیا کہ کس طرح سادہ و صافی تصوّف میں آمیزشیں شروع ہو گئیں۔ اس سلسلے میں تصوّف کی ۶ قدیم عربی کتب پر کلام کیا گیا ہے۔ پھر مختلف مباحث جو لوگوں میں پیدا ہوئے وہ مذکور ہیں۔ مثلاً ذات و صفات کے فلسفیانہ مباحث، مومن و کافر کے درمیان امتیاز غلط ہے۔ (عروج صاحب نے قرآن کی آیات پیش کی ہیں) ایک بحث علمِ سینہ و سفینہ کی ہے۔ اہلِ تصوّف کا واقعہ، موسیٰؑ و خضرؑ سے اِستنباط وغیرہ۔